



1/1/60

Kitab Kar

14715

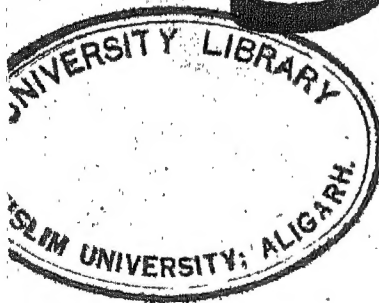


قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي الْآيَاتِ

مسٹر گاندھی کے پروگرام نان کو آپریشن کا دانشمند تبصر

کے

صلاح نیک



الافادات

عالمینا خان بہا شاہ بد عالم حسن ریس غازی پور ایم ایل سی

مِطْبَعَةُ حَكِيمَةِ دَاغِرِ کُورِ کُھِیُو

9 0 0 5 1 4

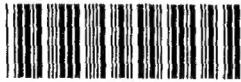
11

0 0 0

✓

CHECKED-2002

M.A.LIBRARY, A.M.U.



U32472



۳۲۴۲

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

من انچه شرط بللغ است با تو میگویم
تو خواه از سخنم پند گیر خواه ملال

اوج و ضعیض، بلندی و پستی، اقبال و ادبار، ترقی و تنزل و ہمدار و ہین جن میں سے ہر قوم کو گزرنا پڑتا ہے، قومیں بنتی ہیں، بڑھتی ہیں اور پھیلتی ہیں، ایک سیلاب آٹھتا ہے جو ایک عالم کو غرقاب کرتا پھیلا جاتا ہے، جو پستی اُس سے ٹکراتی ہے پاش پاش ہو جاتی ہے، جو قوت اُس کے مقابل آتی ہو پارہ پارہ ہو جاتی ہے، لیکن آخر کار سیلاب تھمتا ہو تھمکر پھر اُترنا شروع ہوتا ہے اور وہ دور آتا ہے کہ قوم اپنے خصوصیات و محاسن کو کھو بیٹھیتی ہے، اور وہ جس طرح بڑھتی چلی گئی تھی گھٹنا شروع

ہوتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے۔

مسلمانوں کو بھی بحیثیت ایک قوم کے ان منازل سے گزرنا ضروری تھا، اگر ان کی تاریخ پر سرسری نظر ڈلے تو آپ دیکھیں گے کہ انھوں نے بھی ان سب مدارج کو طے کیا اور آج وہ آپ کو موت و حیات کی اُس کشمکش میں نظر آئیں گے جسے انسانی ہستی کے لئے سکرانے تعبیر کیا جاتا ہے یہی ہوتا چلا آیا ہے اور ہوتا چلا جائے گا، زمانہ اپنی رفتار میں بدل سکتا، مسلمانوں پر اس سے پہلے بھی ایسے سانچے بارہا گرے ہیں مگر نہ اتنے روح فرسا، بنی اُمیہ کی سلطنت تباہ ہوئی مگر بنی عباس نے فوراً ہی اسلام کی شیرازہ بندی کر لی، فتنہ تمار کے بعد مصر میں فاطمیین اور اندلس میں امویین کی مضبوط سلطنتیں موجود تھیں، اور ان کے خاتمہ کے وقت ترک اسلام کے پشت پناہ تھے، مگر یہ ایسا سخت دوت آپڑا کہ رے زمین پر کوئی آزاد اسلامی طاقت باقی رہتی نظر نہیں آتی۔

اس وقت ہر مسلمان کا سب سے مقدم فرض یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے تحفظ و بقا کو تدابیر پر غور کرے، ساری دنیا کے مسلمان اپنی اپنی جگہ پر مضطرب و متفکر ہیں، ہندوستان میں بھی آپ کو کچھ کم اضطراب و خلغشار نظر نہ آئے گا، بحیثیت ایک مسلمان کے میں بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد جن نتائج پر پہنچا ہوں قوم کے

سامنے پیش کر دوں، مگر اس سے قبل ضروری ہے کہ موجودہ مجاوزہ پر جو ایک
خاص جماعت کی جانب سے قوم کے سامنے پیش کئے گئے ہیں مناسب تبصرہ
کر دوں۔

مسئلہ خلافت

خلافت کی اہمیت سے غائب کسی مسلمان کو انکار نہ ہوگا، مگر مسلمانان
ہندوستان میں یہ مسئلہ عرصہ سے زیر بحث رہا ہے کہ سلاطین آل عثمان
خلیفہ اور نائب سول ہیں یا نہیں، سواد اعظم اہل اسلام (خفیہ) نے
سلطان سلیم کے زمانہ ہی میں ان کو جائز خلیفہ تسلیم کر لیا تھا، اور اب بھی کم
مسلمان ایسے پائے جاتے ہیں جن کو ان کی خلافت سے انکار ہو، بہر حال
اسے امر مسلمہ سمجھنا چاہئے کہ ”کون کا زوال خلافت کا زوال ہے“ اور اس لئے
دولت عثمانیہ کے سقوط کا مسئلہ کسی دوسری اسلامی سلطنت کی تباہی
زائد اہمیت رکھتا ہے، یہی سبب ہے کہ مسلمانوں میں آپ کو ایسی شدید
بے چینی نظر آتی ہے جس کی مثال اس سے قبل ہندوستان میں کبھی نظر
نہیں آئی تھی، لیکن اگر کوئی شخص کسی شدید ترین مرض میں مبتلا ہو تو
اس کے لئے ہائے وائے کرنا سود مند نہیں ہوتا، اسی طرح حالات حاضرہ
میں بھی اشتعال انگیزی اور لہار غم و غصہ سے کیا فائدہ؟ اصل سوال تو علاج
کا ہے، مسٹر گاندھی نے اس کے لئے نان کو آپریشن اور سورج کا نسخہ تجویز

کیا ہے۔

”نان کو آپریشن“

جس کا صحیح ترجمہ ”ترک اتحا و عمل“ ہے، اور سیاسی فقہ میں اس کا نام ”ترک موالات“ رکھا گیا ہے، اول الذکر شرعی اصطلاح نہیں ہے، ثانی الذکر کی شریعت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن چونکہ مسلمانوں کو ”نان کو آپریشن“ کی دعوت ”ترک موالات“ کے نام سے دی جا رہی ہے اس لئے بین اسی کو اصل قرار دیتا ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک نے دشمنان اسلام سے جہت تک کہ وہ درپے تخریب اسلام رہیں، ترک موالات کو فرض قرار دیا ہے، فقہ کی متداول کتابیں موالات کے جزئی تفصیلات سے خالی ہیں، البتہ اب سیاسی و دینیوں سے کچھ تفصیلات نظر آنے لگے ہیں۔

مسٹر گاندھی نے نان کو آپریشن کے مختلف مراجع مقرر کئے ہیں، جن میں سے بعض فوراً واجب العمل قرار دئے گئے، اور بعض مناسب وقت تک کے لئے ملتوی رکھے گئے۔

اگر ترک موالات اور نان کو آپریشن ایک ہی چیز ہے تو کم از کم میرا ذہن اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہے کہ اسباب و ضمیمہ کے پائے جانے کے باوجود اس کے کیا معنی ہیں کہ بعض موالات کا ترک تو آج ہی سے

فرض ہو گیا، اور بعض کا ترک سال دو سال کے بعد ہو گا، اگر تفصیلاً مذہبی ہیں تو سب ایک ساتھ فرض ہونی چاہئیں، ادا اگر مذہبی نہیں ہیں تو کسی کی فرضیت بھی مسلم نہیں ہے۔

مولانا عبد الباری صاحب نے اپنے ایک مشہور مراسلہ میں ترک موالات کے منازل کے متعلق تحریر فرمایا ہے ”میں اس کا مرد میدان نہیں اس لئے میں نے گاندھی صاحب کو اپنا راہنما بنایا ہے۔“ اگر تفصیلاً شرعی ہیں تو کیا مولانا اس کے مرد میدان نہیں؟ کیا مسند افتاء و شریعت مسٹر گاندھی کے حوالہ کیجا سکتی ہے؟ پس مجھے تو یقین ہے کہ خواہ ترک موالات اپنے حقیقی معنوں میں فرض ہو، مگر اُس کے مفروضہ مدارج کسی طرح شرعی فرضیت کا رتبہ نہیں رکھتے، اس بنا پر مجھے وثوق ہے کہ اگر میں ترک موالات کے مدارج و منازل پر مسلمانوں کے معاشی، سیاسی یا اقتصادی مفاد کو ملحوظ رکھ کر نظر ڈالوں یا اُس کے بعض حصوں سے اختلاف ظاہر کروں تو کفر و ارتداد کی زد سے محفوظ رہ سکتا ہوں اور یوں تو دنیا سے اسلام میں کم ایسے لوگ نکلیں گے جو اس حملہ محفوظ رہیں

”سودیشی“

ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی سنجیدہ شخص اس تحریک سے مخالفت نہیں

کر سکتا، اگر اس کو بائیکاٹ کے ساتھ مخروج نہ کیا جاوے، اصل یہ ہے کہ ہمارا ملک تعلیم اور صنعت و حرفت میں بہت پیچھے ہے، تعلیم عام نہ ہونے کی وجہ سے آپ عوام میں یہ جذبہ نہیں پیدا کر سکتے کہ وہ اپنے ملک کے گران قیمت مال کو بھی دوسرے ملکوں کے ارزان قیمت مال پر ترجیح دیں، ملک کا بڑا حصہ غریب ہے اور ظاہر ہے کہ ان کو ہمیشہ کفایت مد نظر رکھنی پڑے گی اس حالت میں اگر آپ کا مال بازار میں قیمت اور پائیداری میں دوسرے مال سے مقابلہ نہ کر سکے گا تو ناکامی کا خطرہ زائد ہے، علاوہ اسکے آپ غیر ملکی مال کو قطعاً بائیکاٹ بھی تو نہیں کر سکتے، ضروریات زندگی کی بیشتر چیزیں ایسی ہیں جو آپ کے ملک میں نہیں ہی ہیں۔

تجارت کا مدار تمام تر اصول تبادلہ پر ہے، ملکی حالات اور خام پیداوار کو ملحوظ رکھ کر آپ کچھ چیزوں کو اپنے ملک کے لئے مخصوص کر لیجئے باقی غیر ملکی اشیاء کی خریداری سے آپ کو احتراز ضروری نہ سمجھنا چاہئے کیونکہ ملک اپنے افلاس اور صنعتی تنزل کی وجہ سے ابھی اس کے لئے تیار نہیں ہے۔

کپڑے کے بائیکاٹ پر اس وقت زیادہ زور دیا جا رہا ہے لیکن اگر غور کیجئے تو اس میں بھی ہم ٹہمی حد تک دوسروں کے محتاج ہیں، ملک کے اندر سوت اتنا نہیں بنتا کہ اس سے سارے ملک کی ضرورت کے

بقدر کپڑا تیار کیا جاسکے، اور جو بنتا ہے وہ ایسے کارخانوں میں جن کے مالک عموماً غیر ملکی ہیں، چرنے چلا کر آپ اس کمی کو پورا نہیں کر سکتے، کیونکہ چرنے سے آجکل جو سوت تیار ہوتا ہے اُس سے باریک کپڑے نہیں بنے جاسکتے، تمام ملک کھتر پینے کے لئے تیار نہیں ہے، اور اگر ہو بھی تو آپ چرخوں کے ذریعہ سے اس قدر سوت نہیں کر سکتے جس سے تیس کروڑ نفوس کے لئے بقدر ضرورت کپڑا بنا جاسکے، کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے تمام مرد بھی مردانہ مشاغل تعلیم، ملازمت اور دیگر ضروری کاموں کو چھوڑ کر چرخہ چلانے میں مصروف ہو جائیں اور کیا ایسا ممکن بھی ہے؟ کسی خاندان کے تمام مرد اگر دن بھر چرخہ کاٹا کرین تو ان کی زندگی بسر کرنے کی کیا سبیل ہوگی؟ پوری محنت کرنے پر زائد سے زائد آمدنی جو ایک چرخہ سے ہو سکتی ہے مشکل دو آنہ یومیہ ہوگی، کیا اس گرانے سے نہا میں یہ چند پیسے تنہا ایک شخص کی خوراک کے لئے بھی کافی ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ کھانے کے علاوہ ہر انسان کی اور ضروریات بھی ہیں۔ پھر کم از کم کسان جو آبادی کا بڑا حصہ ہیں اپنے کام کو ترک نہیں کر سکتے، کیونکہ ہندوستان کی کل آبادی کی زندگی انھیں کی محنت پر منحصر ہے، اور آپ کی یہ توقع عبث ہوگی کہ ایک کسان تمام دن کی محنت کے بعد تھک کر جب گھر گیا تو چرخہ لے کر بیٹھے گا، اب رہیں عورتیں ان کا زیادہ وقت خانگی کا لاوا

میں صرف ہوتا ہوں، کھانا پکانا، سینا، بچوں کی نگہداشت، گھر کی درستی و صفائی
 بہ مشکل آپ کو چار گھنٹے کسی عورت کے خالی ملین گے، اسی طرح لڑکیوں کے
 اوقات کا بڑا حصہ آپ کو تعلیم اور خانگی کاروبار سیکھنے کے لئے چھوڑ دینا پڑے گا
 تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ ہندوستان کی تمام عورتیں دن رات کے
 خالی اوقات میں چرنے کا تنے لگیں، یہ بھی مان لیجئے کہ اس میں نصف
 کو اتنی مہارت ہو گئی کہ انھوں نے باریک ترین سوت کا تان تو کیا آپ کے خیال
 میں وہ سوت کی اتنی مقدار کات سکیں گی جو ان کے اور ان کے شوہران کے
 بال بچوں کے لئے کافی ہو؟ اگر آپ ذرا بھی بخیدگی سے غور کریں تو آپ کا
 جواب نفی میں ہوگا، سوچئے کہ سوت کی اتنی مقدار کے لئے کس قدر روٹی
 درکار ہوگی، روٹی آپ کے ملک میں پیدا ہوتی ہے مگر آپ کے مقابلہ میں اس کے
 بیرونی خریدار بھی مایں جو آپ سے زیادہ قیمت دیں گے، کاشتکاروں کی
 غربت کا لحاظ کر کے یہ امید نہ رکھنا چاہئے کہ وہ آپ کے ہاتھ کم قیمت پر فروخت
 کر کے اس نقصان کو برداشت کر سکیں گے، اور اگر آپ زائد قیمت دیکر مال
 حاصل کر لیں تو غیر ملکی تاجروں کے لئے روٹی کے دوسرے بازار بھی ہیں
 جہاں سے وہ خام پیداوار ارزان قیمت پر حاصل کر لیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا
 کہ بازار میں آپ کا مال مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے گا، اور آپ کو ناکامی کا سامنا ہوگا۔
 سوت کے مہیا کرنے کے بعد دوسرا سوال بننے کا ہے، دستی کرگہ

سے آپ بڑے عرض کا کپڑا بشکل بن سکتے ہیں، چھوٹے عرض کا تھان جو
 عموماً نوگز لانا تیار کیا جاتا ہے، مشاق کاریگر کم سے کم ایک دن میں تیار کر لے گا
 ہندوستان کی ضرورت کے لئے کم سے کم دس ارب گز کپڑا درکار ہوگا، اس کے
 لئے کتنے کاریگر اور کتنے کرگھون کی ضرورت ہوگی؟ کیا آپ اس کا انتظام
 کر سکیں گے؟

آپ کو یورپ اور امریکہ کے کارخانہ داروں کا مقابلہ کرنا ہے مشینوں
 سے سوت کاتتے اور کپڑا بناتے ہیں، آپ اُن سے اسی صورت میں سربرہو
 ہیں کہ آپ کے پاس بھی مشینیں ہوں، مگر نہ معلوم کس اصول پر مسٹر گاندھی
 کپڑے کی مشینوں سے بھی اختلاف کرتے ہیں، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ کوئی کاریگر
 مشین کے برابر کام نہیں کر سکتا، سمجھ میں نہیں آتا کہ مسٹر گاندھی مقابلہ کے
 اصول کو کیوں نظر انداز کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب انگریزی مال
 ہندوستان میں نہیں آتا تھا، ہندوستان خود اپنے لئے سوت نہیں کرتا تھا
 اور خود اپنی ضرورت کے بقدر کپڑا بنتا تھا، اور یہ سب مشینوں کی مدد کے
 بغیر انجام پاتا تھا، مگر افسوس ہے کہ وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ اُس زمانہ میں
 یعنی سلطنتِ مغلیہ کے عروج کے دور میں ہندوستان کی آبادی اس کے
 نصف تھی، اور اُس وقت ہندوستان کو قیمت اور مال میں کسی مقابلہ
 نہیں کرنا تھا، کیا وہ ہندوستان کو تین صدی پہلے پوٹا دینا چاہتے ہیں

مگر ایسا ہونا تو ممکن نہیں ہے، اور اگر بغرض محال وہ ہندوستان کو کچھ بچا لے سکتا
 پر سب سے بھی آئین تو اپنے حریفوں کو کم از کم اس رجعت فتنہ فوری پر وہ مجبور نہیں کر سکتے
 مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ بھی انہیں اسلحے سے مسلح ہوں جن سے
 آپ کے حریف مسلح ہیں، ورنہ آپ ان کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں
 ضروری ہے کہ آپ سوت کا تنے اور کپڑا بننے کی مشینیں ملک میں کثرت سے
 مہیا کریں۔ آپ فوراً کل ملک کی ضرورت کے بقدر مشینیں مہیا نہ کر سکیں گے
 لیکن اگر آپ کسی فوری جوش کے زیر اثر نہیں بلکہ استقلال کے ساتھ کام
 کریں گے تو رفتہ رفتہ ایک وقت ایسا آجائے گا کہ آپ اپنی ضرورت کے بقدر
 مشینیں مہیا کر لیں گے، اور خود مال تیار کرنے لگیں گے، اس وقت تک
 آپ کو بائیکاٹ کی تحریک ملتوی رکھنا چاہئے۔ ملک کے غریب طبقہ کی بھلائی
 اسی میں ہے کہ سروسٹ ان سے صرف یہ کہا جائے کہ وہ ملکی مال کو ترجیح دیں،
 جب ملکی مال کثرت سے پھیل جائے گا، اور مقابلتا ارزان و پائدار ہوگا تو
 ملک خود بخود غیر ملکی مال کو چھوڑ دے گا، اور اس وقت آپ کو حقیقی
 کامیابی حاصل ہوگی۔

”تعلیم“

ابتداء میں اس کو دسویں اسٹیج پر رکھا گیا تھا، مگر گاندھی بلند آہنگی

کے ساتھ ہمیشہ کتے رہے کہ بہین طلباء کو نہ چھیڑنا چاہئے، لیکن دفعتاً اس
 معاہدہ میں اُن کی رائے بدل گئی، جب اُنھوں نے محسوس کیا کہ اُن کے
 پاس کام کرنے والوں کی کمی ہے اور اُن کو پروگنڈا پھیلانے اور چپندہ
 وصول کرنے کے لئے پرجوش کارکنوں کی ضرورت معلوم ہوئی تو اُنھوں نے
 خیال کیا کہ نوجوان طلباء کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہئے، باوجودیکہ اُن کے ہنجریل
 گروہ میں سے ہی صدائے مخالفت بلند ہوتی رہی، مگر افسوس جو کہ اُنھوں نے
 انجام کا خیال کئے بغیر اس خطرناک عمل کی ابتدا کر دی اور اس طرح سب
 پہلے مسلمانوں کے عظیم الشان تعلیمی اسٹیٹوشن پر دفعتاً حملہ کر دیا گیا، علی گڑھ
 کالج کو شدید ترین نقصان پہنچ گیا، اور ہندو یونیورسٹی اس صدمہ
 محفوظ رہی۔

مولویوں کی شرکت اس مسئلہ میں اپنی تھی، انگریزی تعلیم سے
 اُن کی مخالفت انگریزی و قدیم تھی، خصوصاً علی گڑھ کالج سے جو ان کے
 فتاوے کفر و ارتداد کے علی الرغم قائم کیا گیا تھا، اپنی پُرانی عداوت
 نکالنے کا اس سے بہتر موقع اُن کے ہاتھ نہ آ سکتا تھا، مولویوں کا گروہ
 اپنے اسلحہ سے پوری طرح مسلح ہو کر علی گڑھ میں جادو ٹمکا، طلباء کو مذہب کے
 نام سے ہمالیت کی طرف مدعو کیا گیا، اور بالآخر جو واقعات پیش آئے بہین
 اُس کا اعادہ غیر ضروری سمجھتا ہوں، بعض دوسرے مدارس کے طلباء

بہی علی گڑھ کے نقش قدم پر چلنا شروع کیا، اور کم و بیش چھ مہینے تک
ہندوستان کی تعلیمی فضائیں ایک سخت خلفشار بچا رہا۔

آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان و سرے ممالک سے تعلیم میں کس قدر پس ماندہ
ہو، مسٹر گوگلے انجانی کی تمام عمر اس جدوجہد میں گزری کہ تعلیم عام اور لازمی
کر دی جائے، ہمارے لیڈروں کو آج سے قبل گورنمنٹس ہمیشہ شکایت رہی کہ تعلیم
کا انتظام ناقص ہو، اسپرک روپیہ خرچ کیا جاتا ہے لیکن آج ہندوستان کو دھماکا
مشکل سے فیصدی چار تعلیم یافتہ نکلیں گے، تعلیم کی ضرورت باقی نہیں رہی
وہ تعلیم جس نے ایسے اشخاص پیدا کئے جن کو قوم کا لیڈر بننے کی صلاحیت ہے آج
ناکارہ بھی جا رہی ہو کہ گویا ناقابل اصلاح مفاسد سے پُر ہے، اور اُس کا ترک لازم
قرار دیا جا رہا ہے، کیا مسٹر گاندھی، علی برادران، ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر کچلا، لالہ لالہ
راے اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ انھوں نے انھیں درگاہ ہو نہیں سکتے تھے، کیا
تھا؟ اور یہی تعلیم تھی جس نے انکو یورپ کی ٹیپو میسی سمجھنے کے قابل بنایا؟ پھر آج
وہ کیوں نوجوانوں کو اپنے نقش قدم پر چلنے سے منع کرتے ہیں، کیا انکا خیال ہے کہ
جاہل ہندوستان اس سیاسی جدوجہد میں زیادہ آسانی سے کامیاب ہو سکتا ہے
بمقابلہ تعلیم یافتہ ہندوستان کے، حالانکہ جس آئینی یا کم از کم پر امن جدوجہد میں وہ
مصروف ہیں تعلیم ہی کا نتیجہ ہے، آپ غیر ملکی تسلط خات حاصل کرنے کے لئے جد
وجہد کر رہے ہیں، آپ سے قبل ۱۵۰ سال پہلے بھی اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر ایک

جدوجہد کی گئی تھی، ان دونوں طریقوں میں کتنا بہن فرق ہے، غور کیجئے کہ اس فرق کا
 سبب کیا ہے؟ صرف تعلیم ابھر گیا آپ چاہتے ہیں کہ ملک اتنا ہی جاہل بنا دیں جتنا
 کہ وہ ایک صدی قبل تھا، یقیناً اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا طرز عمل بھی ویسا ہی ہو جائیگا
 جیسا کہ پہلے تھا، کیا آپ اس نہنگانہ نقص امن کو پسند کریں گے؟ یقیناً آپ کا جواب نفی
 میں ہوگا، غور کیجئے کہ آپ ملک کو کس راہ پر لئے جا رہے ہیں، اسوقت بھی جبکہ چھوٹے
 سے چھوٹے دیہات میں کچھ نہ کچھ علم کی روشنی موجود ہے، مٹرگانہ دھڑی اور ان کے ساتھیوں
 کی چیخ و پکار کے باوجود عوام کس طرح شورش بے امنی میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو کیا آپ
 توقع ہے کہ جب ملک میں جہل کا دور دورہ ہوگا اسوقت امن باقی رہے گا؟ بد قسمتی سے
 ہندوستان کے نوجوانوں کو خود ہی تعلیم کا شوق بہت کم ہے، اکثر کے ایسے طلباء پائے جاتے
 ہیں جو دیکھ پی اور شوق کے بجائے اپنے سرپرستوں کے دباؤ کی وجہ سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اس کا
 میلان تعلیم کی طرف نہیں بلکہ جہل کی طرف ہے، مٹرگانہ دھڑی اور اپنی تحریک کے ایک اس
 میلان کو مزید اشتعال دیا ہے وہی وجہ ہے کہ جس زمانہ میں آپ ملک کے بچوں کو تعلیم کی طرف
 بلا رہے تھے اسوقت آپ کی صدر پرائیوٹ لیکس کرنے والے نہ تھے جو جتنے کہ اس صورت بہالیت کو
 خوشنواں سے قبول کرنے والے پیدا ہو گئے، افسوس! آپ اپنی اس تحریک کے ملک کی بہت سی
 بہن اور اضافہ کر رہے ہیں اور اپنی آزادی کی منزل سے دور ہوتے جاتے ہیں۔
 ممکن ہے آپ کہیں کہ موجودہ نظام تعلیم ہندو ناقص ہے، کہ اسے فوراً بند کر دینا
 ہی ضروری ہے، مجھے اس سے انکار نہیں کہ اس میں کثرت سے نقائص ہیں مگر کچھ تو

کچھ ہوا بہتر ہے، جب تک آپ اس سے بہتر دوسرے نظام تعلیم نہ بنالیں اور ایسی قوت نہ بنیں
کر لیں کہ اسے کامیابی سے چلا سکیں، اس وقت تک کسی طرح مناسب نہیں ہو کہ موجود
نظام کو درہم برہم کر دیا جائے، حالت تو یہ ہو کہ ایک سال سے آپ نے خلیفہ شارجا رکھا ہے
مگر آپ کوئی نصاب تعلیم ہنوز مرتب نہ کر سکے، پھر نصاب تعلیم تیار کرنے کے بعد بھی اسکی صحت
کامیابی کا مدار تجربہ پر ہو گا، یہ بات کہ انٹک قرنِ ہجریٰ شمس الدہریٰ ہو کہ ایک ہوم اصلاح
کے لئے جس نے ہنوز عملی یا تحریری جامہ اختیار نہیں کیا ہے آپ ایک مرتبہ دیکھتے ہوئے
نظام کو توڑنا چاہتے ہیں اور یہ جدوجہد صرف اس لئے ہے کہ آپ اپنی خیالی نصابِ نظام کا
تجربہ کر کے دیکھیں کہ وہ کتنی ثابت ہو گیا یا نہیں، آپ چاہتے ہیں کہ طلباء سے تعلیم ترک کر دیں
جس سے کچھ نہ بچے تو اسکا دماغی نشوونما ضرور ہی ہوتا ہو اور پھر ان سے کہیں کہ آؤ تم ہمارے سکول میں
چرخہ کا توڑیں تو ہم یورپ کی ایک تعلیم یافتہ اور مضبوط قوم کو شکست دے سکو گے۔

اگر حقیقت آپ اصلاح کے طالب ہیں اور آپ کا مقصد ہے کہ آپ تجربہ بہترین نظام تعلیم
مرتب کریں تو آپ کے لئے موجود تعلیم کو نقصان پہونچائے بغیر ایسا کرنا ممکن تھا، ہمارے ملک میں
قابلِ تعلیم بچے اور نوجوان بہت ہیں اور ان میں سے کم ایسے ہیں جو تعلیم میں بہتر ہوتا کہ آپ سے
تعلیم بخوبی کوئی راہ پر چھوڑ دیتے اور اپنے مدارس کیلئے ان بچوں کو بھرتی کر کے جنکی عمر میں
جہالت کی بدولت برباد ہو رہی ہیں، آپ آپ اپنی نظام عمل کا تجربہ کرتے، ان کو آپ اپنے
پروسیڈر اچھیلانے کے قابل بنائے، اور ان سے آپ اپنا کام لیتے کہ اگر آپ کا نظام عمل کا نام ثابت
ہوتا تو بھی ملک کچھ نقصان پہونچتا، اور اگر آپ کو کامیابی حاصل ہوتی تو آپ کے لئے ساری ملک کی

نظام کی طرف مبعور کرنے کا موقع حاصل ہوتا اور اس وقت آپ کی جدوجہد قوم کے لئے حقیقی
معنوں میں مفید ثابت ہوتی۔

اگر ساری تحریک کا مقصد اصلاح تھا تو مجھے حیرت کہ ابتداً اعلیٰ گڈھ سے کیوں
کی گئی جبکہ کالج یونیورسٹی کا درجہ حاصل کر چکا تھا، آپ کو قہریم کی اصلاح کا موقع حاصل تھا
جو نظام موجودہ نظام میں ہیں آپ اپنی یونیورسٹی میں انکو دفع کر سکتے تھے۔ مولویوں کو لینا
و بیدینی کا جو دھڑکا لگا ہوا تھا وہ دینی تعلیم میں مناسب اصلاحیں کہ اس سے بچا حاصل
کر سکتے تھے، البتہ سرکاری سکولوں اور کالجوں میں اصلاحیں کرنا آپ کے اختیار سے باہر تھا
آپ کو ان سے ابتداً انگریزی تھی مگر افسوس کہ آپ نے اپنے ہاتھوں سے خود اپنے گھر میں انکے لگائی۔

مسٹر گاندھی کا خیال یہ کہ ہم جنگ کے زمانہ سے گزر رہے ہیں اور دوران جنگ
میں تمام وہ کام بند رہتے ہیں جو زمانہ امن میں جاری رہے ہوں، سطحی نظر میں یہ تسلل
مناسب معلوم ہو تا ہے مگر ذرا غور کیجئے، مسٹر گاندھی ایک نظام سلطنت سے جنگ کے رہے ہیں
جسے وہ الٹ دینا چاہتے ہیں اور اس کے بجائے دوسرے نظام سلطنت قائم کرنا چاہتے ہیں
پس اگر انکی جنگ کا مینا خاتمہ تک پہنچے تو فوراً ہی انکو نیا نظام سلطنت نافذ کرنا ہو گا جس کے لئے
شاستری جیسے ماہر سیاست، ڈاکٹر سیر جیسے ماہر قانون اور ڈاکٹر ضیاء الدین جیسے ماہر تعلیم
کی ضرورت ہو گی، ایسے لوگ ان کے پاس کم ہیں اور اگر زمانہ جنگ میں تعلیم روک دی گئی تو بعد
جنگ نیا نظام چلانے کے لئے اشخاص کمان سے آئیں گے، آپ کو ابھی سے اس وقت کے لئے
بھی مستعد رہنا ضروری ہے، ہمیشہ نظام کو بچاٹنے والی ہستیاں اور ہوتی ہیں اور

بنافروالی ورہو لوگ آج ایک نظام کو الٹ دینے میں کامیاب ثابت ہوں، یہ ضروری نہیں کہ وہی کل دوسرا نظام بھی تیار کر سکیں، انکا کام اسوقت ختم ہو جائیگا، اس کے بعد ملک کے دوسری ہستیوں کی رہنمائی درکار ہوگی جن کو تعلیم ہی پیدا کر سکتی ہے، پس سٹر گاندھی کی اپنی سٹر ایکس نے بھی تعلیم دینی ہی ضروری ورکارا مدچیز ہے جیسے کہ ان کے مخالفین کے مقاصد کے لئے۔

آخر میں میری قوم اور ملک دونوں سے التجا ہے کہ تعلیم کے مسئلہ میں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیں، جوش میں سبھرتے نوجوان اپنی مستقبل پر غور کرنے کی صلاحیت بہت کم رکھتے ہیں، اس لئے ان کے سرپرستوں کو ہر ممکن ذریعہ سے ان کے خیالات کی اصلاح کرنا چاہئے، انکو آشتی وزمی سے سمجھانا چاہئے تاکہ ہماری آئندہ نسل میں نقصان سے محفوظ رہیں۔

مسلمان اپنی جہالت اور مولوی کی ضد کی بدولت ایک مرتبہ غدر کے بعد لگاتاری تعلیم کو محترم قرار نہ دے سکا، وہ اپنی ہمسایہ قوموں سے پیچھے گئے، اب دوبارہ مولویوں ہی کی سربراہی میں یہ فتنہ پھر اٹھا ہے خدا اس سے محفوظ رکھے۔

”سوراج“

کانگریس کا قدیم مطالبہ دیگر گورنمنٹ کا پڑانا وعدہ ہے، عرصہ تک مسلمان اس سے علیحدہ رہے جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اپنی قلت اور کمزوری کو محسوس کرتے تھے، انکا خیال تھا کہ انگریزوں کے ہٹ جانے پر وہ اپنی ہمسایہ اقوام کے رحم پر ہونگے جو تعداد اور مادی قوت میں ان پر تفوق رکھتی ہیں۔

مسلم لیگ نے اپنے مطالبات میں اس اصول کو دخل نہیں کیا، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اسکی بنیاد ہی اس اصول کی مخالفت پر رکھی گئی، اس لئے مانہ میں مسلمانوں کے مطالبات صرف اپنے حقوق و مفاد تک منحصر تھے، اگر ۱۹۱۶ء میں مسلمان بھی اس مطالبہ میں ہندوؤں کے شریک رہ گئے، اس وقت وہ تجاویز مرتب ہوئیں جو کانگریس لیگ اسکیم کے نام سے مشہور ہیں، اسی اتحاد کا نتیجہ موجودہ ریفارم اسکیم ہے جسے گورنمنٹ نے سیلف گورنمنٹ کی پہلی قسط قرار دیا ہے۔

اس دور میں سورج کے مطالبہ پر زائد زور دیا جاتا ہوا اور اس وقت ہمیشہ سے زیادہ پر زور ہو گیا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو یقین دلادیا گیا ہے کہ تحفظ خلافت و بلاد اسلامیہ راج حاصل کو بغیر کن نہیں، مگر مسٹر گاندھی اس دعویٰ کے باوجود ہمیشہ سورج کا مطالبہ رنوعیت بیان کرتے کرتے رہے، اس موضوع پر انکے بیانات ہمیشہ ناکافی اور غلط رہے، اور باوجود اجمال و اختصار کے مقبایں، آخری بیان جو اس موضوع پر اٹھوٹن کیا جو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا مطالبہ اسی طرح کی اندرونی آزادی کا ہے جیسی کہ نوآبادیوں کو حاصل ہو، میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسی آزادی جبکہ ہماری خارج پالیسی برٹش گورنمنٹ کے زیر نگرانی ہوگی مسئلہ خلافت و بلاد اسلامیہ کی گتھی کیونکر سلجھ سکتی ہے، خیر اس مسئلہ کو جان دیکھئے (دع) "دل کے بہلانے کو غالب خیال چھاپے" لیکن مسٹر گاندھی کے بیان سے معلوم ہو گیا کہ انکی منزل مقصود بھی یہی ہے جو اعتدال پسند طبقہ کی ہے، جب کچھ بحث ہے وہ طرز عمل کے متعلق، اعتدال پسند گروہ کا طرز عمل وہی ہے جو آج سے دو سال قبل تک کانگریس کا تھا، یعنی آئینی جد و ہمد اور موجودہ ریفارم

اسکیم ہی جد و جد کا ٹھہرا، اسی لئے وہ اپنی جد و جد کو برا دیکر ناہنیں چاہتے، بلکہ وہ جو
 اصلاحات سے فائدہ اٹھا کر گورنمنٹ پر یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ اس سے زیادہ کم
 ہیں انکو یقین ہو کہ وہ گورنمنٹ سے مزید حقوق حاصل کر لیں گی، دوسری طرف اسٹریٹ
 کی جد و جد پر غور کیجئے جسکی ابتدا ستیہ گرو سے کی گئی تھی اور جس کا منشاء رولٹ ایکٹ
 کو منسوخ کرنا تھا، نتیجہ کیا ہوا؟ شورش نفوذ من، شدید تلافی جان، مگر رولٹ ایکٹ
 برستو نافذ رہا، کوئی تغیر یا اصلاح گورنمنٹ کے خیال میں نہ کی جا سکی، آخر کار جب نئی
 کونسلین مرتب ہوئیں انھوں نے اپنا کام شروع کر دیا، ڈاکٹر نیرو مشہور اعتدال پسند
 لیڈر و ایسٹ کی کونسل میں مقابلوں میں مقرر ہوئے، انکی آئینی جد و جد نہ صرف رولٹ ایکٹ
 بلکہ پریس ایکٹ اور بعض دوسرے جاہلانہ قوانین کو منسوخ کرانے میں کامیاب ہو چاہے
 بحث منزل مقصود کی نہیں بلکہ طرز عمل کی ہے، کیونکہ منزل مقصود تو ایک ہی ہے
 مسٹر گاندھی ملک کو ایک ایسی راہ کی طرف بلاتے ہیں جو دو سال کے تجربہ کے بعد علی
 حیثیت سے قطعاً کامیاب ثابت ہوئی ہے، کوئی قدم وہ منزل مقصود کی طرف نہیں لے سکتے
 اپنے مطالبات میں سے ایک کو بھی گورنمنٹ سے نہ منوا سکے، اس کے بالمقابل اعتدال پسند
 ملک اس پر پہلچنا چاہتے ہیں جس پر چھتیس سال سے کامیابی کیساتھ چلا آتا ہے، یہ اعتدال
 پسندوں ہی کا گروہ ہے جسکی جد و جد سے ملک کے مطالبات پورے ہوتے جا رہے ہیں اب
 یہ ملک کام ہو کہ وہ تیز رفتاری سے متاثر ہوئے بغیر غور کرے اور اپنے لئے کامیابی
 یا نا کامیابی کا ایک ہا اختیار کرے۔ مسٹر گاندھی کے وعدہ کو مطابق دسمبر ۱۹۳۱ء

بین ملک کو درج حاصل ہو جانا چاہئے، اس دعویٰ کو سات مہینے گزر چکے ہیں اور پھر پانچ مہینے باقی ہیں، انکی مطلوبہ رقم اور آدمی بھی بقول انکے نہیں آ رہے ہیں، اگر شش ماہ میں ملک کے راج کی طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھا ہوا، اور اس رفتار سے آئندہ پانچ ماہ میں دو چار بلوونکے سوا اور کس بات کی مریدین، مجھے یقین ہے کہ دسمبر کے آخر میں لوگوں پر مسٹر گاندھی کے مواعد کی حقیقت عیاں ہو جائیگی اور وہ لوگ جو اب تک انکے اور انکے ہم نوائوں کو حکمانہ دعویٰ سے مرعوب یا متاثر تھے انکی آنکھیں کھلی جائیں گی اور وہ سمجھیں گے کہ انکی منزل ان کی ہنوز اتنی دور ہے جتنی کہ آج سے دو سال قبل تھی۔

”ہندو مسلم اتحاد“

سورج کے ضمن میں اس مسئلہ کا بھی کچھ تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے، مگر اس سے قبل میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں خود ہندوؤں اور مسلمانوں کے حقیقی اتحاد کا دلائل ہوں اور بفضلہ میرے حباب میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہے لیکن مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت کا دشواری تو بہت زیادہ ہے مگر بیرونی سطح کے نیچے وہی اضطراب ہے جتنی ہے مسلمان اپنی طرف سے محبت و دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے لئے تیار ہیں مگر یہ سنا کہ جیسے ہندو بھائیوں کا برتاؤ ہے اسے ساتھ ویسا نہیں ہے، مسلمانوں ہی کی شرکت تھی جس نے سورج کے بھائیوں کو اس قدر تقویت بخشی ہے کہ اسے سے قبل تحریک ایک دہ ہزار سے زائد چشتیت بن چکی تھی مسلمانوں نے اس میں جان الٰہی اس کے بعد سے برابر مسلمان ایشیا سے کام لیتے رہے، انچونوں نے اپنے مطالبہ ”انتخاب لحاظ اہمیت“ کو ترک کر کے ”انتخاب

بلحاظ آبادی پر ہندو مسندی ظاہر کی، انھوں نے اپنے لیگ کے مقاصد میں تغیر کے اُس کو
 کانگریس کا ہم نوا بنایا، انھوں نے ہندو لیڈروں کو مشترکہ ملکی لیڈروں کا درجہ عطا
 کیا، اور بالآخر ہندوؤں کو سخت ترین مطالبہ ترک گاکشی پر آمادگی ظاہر کی،
 حالانکہ ہندو زور و قوت کی آزمائش کے بعد بھی اپنے اس مقصد کے حاصل کرنے میں
 ناکامی ثابت ہو چکے تھے، بہر حال مسلمان اتحاد کو ثابت کرنے کے لئے ہر قسم کے
 اشیاء پر تیار رہے لیکن اگر پوچھئے کہ اس کو مقابل ہمارے دوستوں نے کیا ایشاء کیا تو
 ایک بات بھی زہن میں کیجا سکے گی۔ اردو ہندی کا جھگڑا آج تک دستور باقی ہے،
 کیا یہ مناسب تھا کہ جب ہم نے اُن کے مطالبوں کو مان لیا تھا تو وہ بھی ہمارے ایک مسئلہ کو
 مان لیتے اور اردو کو مشترکہ زبان تسلیم کرنے سے جیسی کہ واقعتاً ہے گریز نہ کرتے بلکہ
 افسوس! مسٹر گاندھی ہندوستانی کا نیا لفظ ایجاد کر کے مسلمانوں کو دھوکا
 دینا چاہتے ہیں اور اس پردہ میں براہ راست اپنی رسم اسطے کے لئے کوشاں ہیں۔
 مسلمان ان خود اس بات پر آمادہ ہیں کہ وہ گاکشی کو رفتہ رفتہ ترک کر دیں گے
 اور اس ایک سال میں وہ اپنے اس ارادے کو قابل تعریف صداقت سے پورا کرتے
 رہیں، لیکن ہندو بھائیوں کا طرز عمل اس معاملہ میں بالکل غیر متغیر ہے، اُن کی
 معاندانہ اسپرٹ میں کوئی کمی نظر نہیں آتی، وہ دیکھ چکے کہ خوریزی کے ذریعہ سے
 اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے، اس لئے انھوں نے دوسرے مجبور کیے والے
 طریقہ اختیار کئے ہیں، مسلم لیگ کو کانگریس میں ملائے وقت کے وعدہ وعید سے

تخاف کر کے اپنی کثرت تعداد کی قوت سے وہ مسلمانوں کے اختلاف کے باوجود قانوناً کاوشی
 کی مانتے کے لئے میونسپلیٹیوں میں باسی لائے اور کونسلوں میں ریڈولیشن پاس کرتے
 ہیں غرض کہ وہ اپنی کثرت تعداد سے ہر جگہ مسلمانوں کو شکست دینے کے درپے ہوتے ہیں
 کانگریس میں مسلمانوں نے کثرت سے شرکت شروع کی، ناگپور کی کانگریس میں میٹر
 گاندھی نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور وہ غلبہ حاصل کر
 جاتے ہیں تو اب انھوں نے یہ تحریک شروع کر دی کہ کانگریس میں مسلمانوں کی تعداد
 ۱۹۱۶ء کی تجویز لیگ و کانگریس کے مطابق ہونا چاہئے، غرضیکہ آپکو ہر جگہ نظر آ گیا
 کہ وہ ہمارے تفوق دیکھنا نہیں چاہتے۔ میٹر گاندھی نے اپنے حملے کے لئے علی گڑھ
 کالج کو مقدم قرار دیا، اور اس طرح انھوں نے ہندو یونیورسٹی کو اپنے تحفظ کا موقع
 دیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ علی گڑھ کو جو صدمہ اٹھانا پڑا اس سے بنارس محفوظ رہا
 لالہ لاجپت رائے جو تعلیم اسلام کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کر چکے باوجود اس قدر
 غیر متعصب بننے کی کوشش کرتے ہیں کہ موہوم سلطنت افغان کی رعایا بننے پر
 لفظی رضامندی ظاہر کرتے ہیں، مگر اس کو کیا سمجھے گا کہ (رع) مقتضایہ
 طبیعتش میں است۔ وہ علی گڑھ کالج کے طلباء کی ہمت مردانہ پر انکو داد دے
 ہیں، انکی تعریفیں کرتے ہیں، مگر جب وہ ہندو یونیورسٹی میں پہنچتے ہیں تو وہ انکی
 طلباء کو غور و فکر کی تعلیم کرتے ہیں اور انکو بتلاتے ہیں کہ تعلیم کے معاملہ میں خوب سچ
 سمجھ کر قدم اٹھانا چاہئے، گویا مسلمانوں کے لئے تعلیم کی وہ ہمیت نہیں جو ہندوؤں کے لئے ہے

حقیقی اتحاد و اُمتی قوت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ فریقین ایشیاء و رواداری سے
کام لیں، یہ توقع عیشیہ کہ مسلمان ہی ہر مرتبہ پیش قدمی کریں گے۔

”امن“

سوراج کی طرح امن بھی ایک مشترکہ مقصد ہے مگر دیکھئے کہ مسٹر کانڈل کی نظر
عمل میں معاملہ بین بھی غیر تشفی بخش ہے، انکی اسکیم ایسی ہے جس سے نقص امن ہونا
لازمی ہے، گو وہ خود ایسا نہ چاہتے ہوں، مگر تجربہ اسپر شاہد ہے، اصل یہ ہے کہ عوام
مینٹن کو آپریشن کی وجہ سے بے چینی و اشتعال پیدا ہو گیا ہے جسکا لازمی نتیجہ
نقص امن ہے، اجتماعیات کا مسلمہ اصول ہے کہ جماعت میں لاشعوریت کی شان
ہوتی ہے اسی وجہ سے وہ اصلاح کے بجائے افساد کی طرف زائد ہوتی ہے
وہ خلاف عقل باتوں پر آسانی سے یقین کر لیتی ہے اور ایسے خرافات سے آسانی سے متاثر
ہو جاتی ہے جو ناقابل قبول ہوں، انقلاب فرانس میں اسکی مثالیں کثرت سے نظر آتی
تھیں، جماعت کے یہ وصف علماء و تعلیم یافتہ اشخاص کی جماعتوں میں پائے
جاتے نہ تھے پھر ہندوستان جیسے غیر تعلیم یافتہ ملک کی جماعتوں کے متعلق کیا خیال
کیا جاسکتا ہے، مزید اس پر دھکے ہنگامہ میں آگئی نظر سے یہ واقعہ گراہوگا کہ ان ایک منصوبہ
کنڈل کی توجہ تھا، اپنے شاہوگا کہ جاہل عوام کو یقین دلا دیا گیا تھا کہ انگریزوں کی
حکومت ملک سے اٹھ گئی، اور اب زمینداروں کو لوٹکان دینے کی ضرورت نہیں ہے
پنجاب میں ملیر گروہ کی تحریک کس نتیجہ پر پہنچی، اور برمن ترک موالات کے زیر اثر

کیا کیا واقعات پیش آئے؟ ہر باخبر شخص اس سے واقف ہے، ایسی حالت میں ترک موالات کیساتھ ”پرامن“ کا لفظ مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے؟ عوام پر امن رہنے کی امید ایک لاشعور خیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

مسٹر گاندھی کے بیانات اس قدر محفل اور اکثر متضاد ہوتے ہیں کہ پبلک کے لئے انکا صحیح مطلب سمجھنا بہت دشوار ہے، وہ اپنے مقصد اور طرز عمل کو ہمیشہ پوشیدہ رکھتے ہیں اور جب انکی تحریک کی بدولت پبلک شورش میں مبتلا ہو کر خطرہ میں پڑ جاتی ہے تو وہ پبلک سے بیزار سی ظاہر کرنے لگتے ہیں، پنجاب میں انکی تحریک سستی گرہ جب ملک نتیجہ تک پہنچ گئی، تو ہندوؤں نے گناہ جانیں تلف ہونے کے بعد پبلک کو ملزم قرار دیکر انھوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا، انھوں نے کہا کہ ابھی ملک میری اس روحانی تعلیم کے لئے تیار نہیں ہے، اس لئے میں نے اس تحریک کو شروع کرنے میں کوہ ہمالیہ کے برابر غلطی کی، بہر حال انھوں نے پبلک ہی کے سپرد کر دیا، ہمارے پاس کیا ذمہ داری ہے کہ ترک موالات کا بھی جب ایسا ہی خطرناک انجام ہو تو مسٹر گاندھی یوں ہی ملک کو قصور وار ٹھہرا کر پہاڑ کی راہ میں

حاصل کلام

یہ ہے کہ مجھے ”نان کو اپشین“ کے اصلاحی تجاویز مثلاً انسداد مسکرات، سودیشی وغیرہ سے کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ میں انقلابی تجاویز کو قوم و ملک کے لئے مضر سمجھتا ہوں۔ مسلمانوں کیلئے اسلام کو جس خطرہ کی طرف

حوادث زمانہ لئے جارہے ہیں اس سے محفوظ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ مذہب کے سچے پابند بنیں جس کی بدولت وہ تمام دنیاوی ترقیوں کے قابل ہو سکیں گے، ملک مال خود انکے قدموں سے اُلگین گے مسلمان دنیا کے لئے نہیں بلکہ دنیا انکے لئے ہو، ہم پر اس ورہین جتنے بھی مصائب نازل ہو وہ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہیں، اگر ہمارے اعمال پھر ویسے ہی ہو جاویں جیسے کہ ہمارے اسلام کے تھے تو ہمارے لئے بھی وہی سعادت ہو گی جو انکوں کے لئے تھی۔

ہندوستانیوں کے لئے ذمہ دار حکومت خود اختیاری حاصل کرنے کا بہترین طریقہ آئینی جدوجہد ہے جس سے اب تک کچھ نہ کچھ کامیابی ہو چکی ہے اس لئے یقین ہو کہ اگر آئندہ آپ نے اس سلسلہ کو جاری رکھا تو ایک ہزار سالہ آئین کا کہ آپ اپنے کو آزاد کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

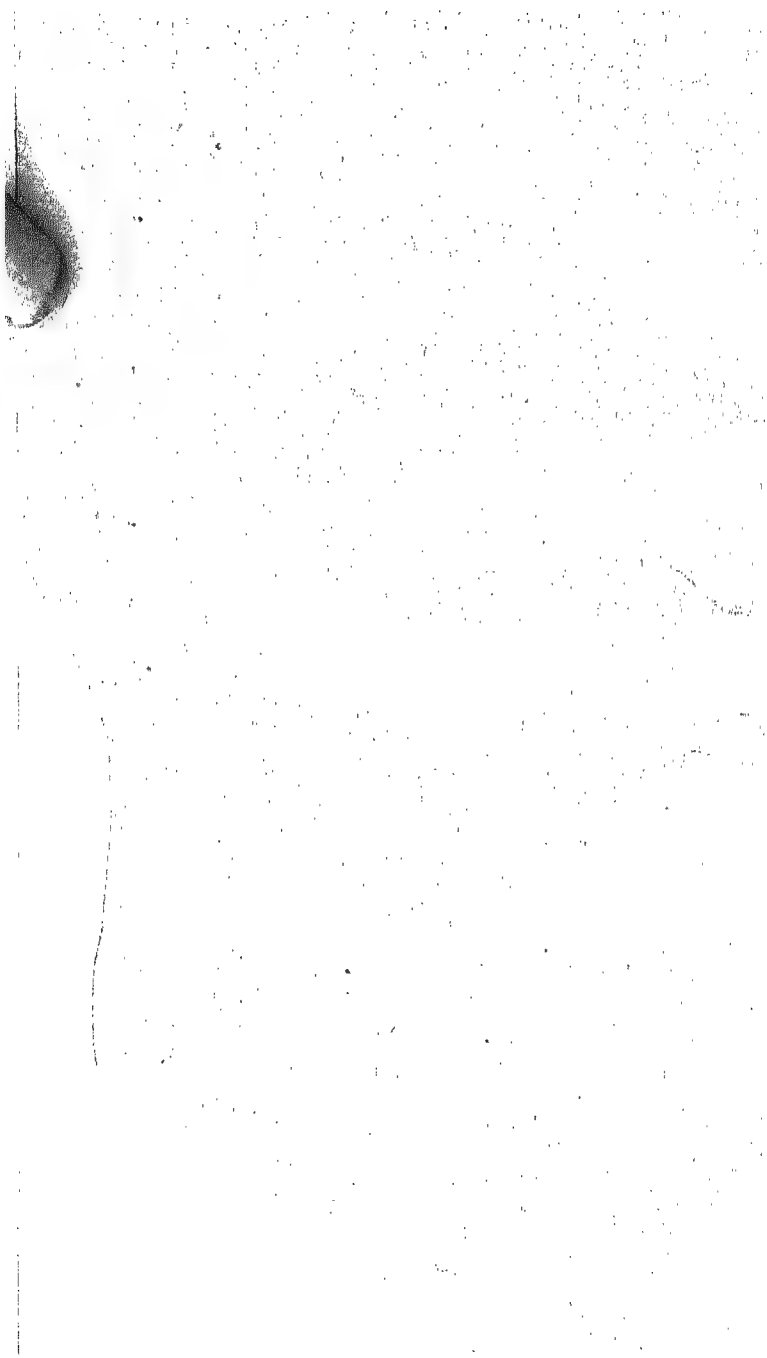
خدا مسلمانوں اور کل ہندوستانیوں کو اس بات کی توفیق دے کہ وہ حق باطل میں تمیز کر سکیں اور ایسی راہ پر چلائے جس کا خاتمہ انکی فلاح و بہبود پر ہو۔

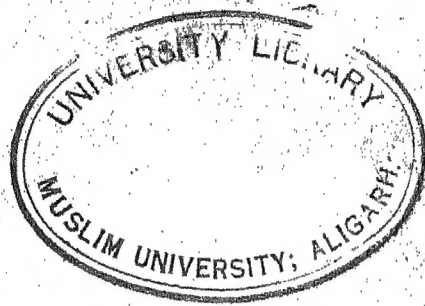
”اے عازمین از جملہ جہان آمین“

حافظ و طیفہ نو عا گفتن است و بس در بند آن مباش کہ شنید یا شنید
خاکسار

بدر عالم - اسد منزل غازی پور۔

۲ جولائی ۱۹۲۱ء





پرنسٹون پبلشر

حکیم برہم

ایڈیٹر "مشرق" گوکھپو



۲۱۰

۹۸۵۱۲

۱۰۰۰,

DUE DATE

۳۲۲ < ۲

Orintha Sakana Collection.

1/2 925.12
 (000) 12222

Date	No.	Date	No.